ڈاکٹر سید زاہد علی واسطی

ایک زائرِ بیت اللہ کے تاثرات

بیت اللہ کو دیکھنے کی سعادت نصیب ہونے والی تھی۔ جہاز زمین سے کئی ہزار میٹر کی بلندی پر بجانب حجاز محوِ پرواز تھا۔ جہاز اور زمین کے درمیان سفید اور سنہرے بادلوں کی ایک دبیز تہہ حائل تھی۔ ایک ایسا مقام جس کا نام ہم سب انتہائی ادب اور احترام سے لیتے ہیں، آنے والا تھا۔ دل میں جس شہر کی والہانہ محبت ہے، جس کی طرف تمام عمر منہ کرکے نماز پڑھتے رہے، وہ شہر جس کے دامن میں اسلام پروان چڑھا، جس علاقے کے ریگ زاروں، پہاڑوں اور جس کی فضاؤں نے اسلام کے فدائین کو اسلام کی سربلندی کے لیے سرگرم دیکھا، اب میری گنہگار آنکھیں اس شہر کو دیکھنے کے لیے بے چین تھیں۔ مگر ابھی بہت دیر تھی۔ تھک کر جہاز کی آرام دہ کرسی پر سر ٹکا لیا۔ ذہن بہت اونچی پرواز کرتے ہوئے دنیا و مافیہا سے دور نکل گیا۔ چشمِ تصور نے خانہ کعبہ کو دیکھا اور چار ہزار پرانی تاریخ کے باب کھل گئے ـــــ تاریخ و سیر کی کتابوں سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق فرشتوں نے بیت المعمور کے نمونے پر خانہ کعبہ کی موجودہ جگہ پر بنیاد رکھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی، حضرت جبریل نے حجرِ اسود نصب کیا۔ حضرت آدم کا تیار کردہ بیت اللہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تک رہا۔ پھر سیلابِ نوح کی وجہ سے منہدم ہوگیا اور صرف ایک ٹیلہ رہ گیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے دوبارہ اسی جگہ بیت اللہ کی تعمیر کی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو نصب کرتے جاتے اور فرماتے جاتے:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ ۝ (ابراہیم : ۳۷)

اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کر دیا ہے، تیرے

معظم گھر کے قریب (یہ اس لیے) کہ اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں کھانے کو پھل دے، جس سے یہ شکر گزار رہیں۔

اس وقت اس عمارت کے دو دروازے تھے اور چھت نہیں تھی۔ اس تعمیر کے بعد ایک صدی کے اندر یہ عمارت پھر منہدم ہوگئی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سسرالی عزیزوں (بنی جرہم) نے پھر اس کی تعمیر کر دی۔ یہ تعمیر دوبارہ سیلاب کی نذر ہوگئی۔ تب مصر کے حکمران عمالقہ نے اس عمارت کی مضبوط تعمیر کرائی، مگر چوں کہ چھت نہیں تھی لہٰذا پانی بھر جانے کی وجہ سے پھر منہدم ہوگئی۔ اہلِ قریش نے ہر چند مرمت کرائی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک مرتبہ آتش کی نذر ہوگئی۔ اب عمدہ قسم کی چھت ڈالنے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشاورتی کمیٹی میں تھے۔ مناسب لمبائی کے شہتیر نہ مل سکے، اس لیے سب کے مشورے سے عمارت کی لمبائی شمالی جانب سے کم کر دی گئی اور جو حصہ کھلا چھوڑ دیا گیا، وہ "حطیم" کہلایا جو آج تک موجود ہے۔ ۶۴ھ میں عبداللہ بن زبیر نے اہلِ قریش کی عمارات کو شمالی جانب سے گرا کر دوبارہ حضرت ابراہیم کی اصل بنیادوں پر تعمیر کرایا اور آمنے سامنے دو دروازے قائم کر دیے۔ اموی دورِ حکومت کے مشہور کارپرداز حجاج بن یوسف نے اپنے دورِ اقتدار میں پھر شمالی دیوار گروا کر اہلِ قریش کی بنیادوں پر کعبے کی دیوار تعمیر کرا دی جس میں غربی دروازہ بند کرا دیا۔ گیارھویں صدی میں یہ عمارت پھر خستہ ہوگئی، تب سلطان مراد نے ازسرِ نو اہلِ قریش کی بنیادوں پر عمدہ مصالحے سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرائی جو آج تک قائم ہے۔ میں ان ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ مجھے میری رفیقۂ حیات نے یہ کہہ کر چونکا دیا، "جہاز سرزمینِ حجاز پر اتر رہا ہے"۔ ادھر مسافروں میں ہلچل مچ گئی اور جہاز لبیک اللھم لبیک کی صداؤں سے گونجنے لگا۔

جدہ کے ہوائی اڈے پر امیگریشن اور کسٹم کے جھمیلوں سے جان چھڑا کر ہوش میں آئے تو خود کو سنبھالا اور محسوس کیا کہ ہم ارضِ مقدس میں آ چکے ہیں۔ ایک مدت سے جس سرزمین کو دیکھنے کی بے تاب اور بے قرار نگاہیں منتظر تھیں اور دل مضطرب تھا، وہاں آن پہنچے، یہ خیال آتے ہی نفل ادا کیے۔

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ جادہ رہ کشش کاف کرم ہے تیرا

مختلف بازاروں سے گزر کر ایک عظیم الشان اور باوقار عمارت کے سامنے جب اُترے تو معلوم ہوا کہ یہی حرم شریف ہے۔ بے چین نگاہوں نے بے قراری سے ادھر ادھر دیکھا، تجسس تھا کہ وہ مقامِ عالی قدر کہاں ہے جو ہمارا کعبہ ہے، قبلہ ہے۔ بیرونِ حرم نظر نہیں آتا۔ باب عمرہ سے بسم اللہ کر کے اندر داخل ہوئے۔ دل کی عجب کیفیت تھی۔ ابھی چند قدم آگے بڑھے تھے کہ سامنے خداوندِ قدوس کا وہ گھر تھا جو حضرت خلیل اللہ اور ان کے بیٹے نے بنایا تھا، ہم سکتے میں آگئے۔ رعب، جاہ و جلال، عظمت و موعظت نے زبان گنگ کر دی۔ روشنیوں سے آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ یہاں تمام افراد ایک ہی مقصد کے لیے ایک ہی طرح کے انداز و والہیت کے ساتھ ایک ہی دھن اور لگن کے ساتھ خلیل اللہ اور حبیب اللہ کی سنتِ جاریہ پر عمل پیرا تھے۔ یہی وہ مقام ہے جو عالمِ اسلام اور امتِ مسلمہ کی یکسوئی اور یک جہتی، وحدت اور اتحاد کی علامت ہے۔ جسے سورۂ آل عمران میں ہدایت کا سرچشمہ بتایا گیا ہے، جو اس گھر میں داخل ہوگیا وہ امن میں آگیا۔ یہ سوچ کر صحنِ کعبہ میں قدم رکھا۔ نگاہ نیچی، انتہائی عجز و انکساری میں اللہ جل شانہٗ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں اور وہ ربِ جلیل مجھے دیکھ رہا ہے۔ ذہن کی عجب کیفیت ہوگئی۔ آنکھیں پھٹی پھٹی، دل کی دھڑکن تیز تر، تمناؤں کا ہجوم، ہیبتِ کعبہ سے قدم بوجھل ہوگئے۔ اعضا میں اعتدال نہ رہا۔ کہاں میری روسیاہی اور کہاں اللہ کے حضور حاضری۔ اپنی سیاہ کاریوں اور گناہوں کو کاندھے پر اٹھائے آگے بڑھا، پھر رکا کہ خوف و شرم سے قدم نہ اٹھتے تھے۔ یک دم دل و دماغ پکارنے لگا، رکتے کیوں ہو؟ ڈرتے کیوں ہو؟ اگر تو گناہوں کے سمندر میں غرق ہے تو بخشنے والا بھی رحیم ہے اور غفار ہے۔

رات کا ایک بج رہا تھا۔ حرم شریف میں زیادہ ہجوم نہ تھا۔ میں اور میری اہلیہ دوڑ کر مقامِ ملتزم پر خانہ کعبہ کو چمٹ گئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ رحمتِ خداوندی منتظر تھی۔ نامعلوم کتنی دیر آنسوؤں کا سیلاب رواں رہا۔ مغفرت کی التجائیں ہونٹوں سے نکلتی رہیں۔ زبان اور ہونٹوں کے تعاون سے جس قدر دعائیں یاد تھیں، بارگاہِ ایزدی میں پیش کر دیں۔ دل کو قدرے سکون ملا۔ کانپتے ہوئے جسم سے خوف اور ندامت قدرے دور ہوئی تو حجرِ اسود کے مقامِ مقدس سے طواف شروع کیا۔ طواف میں ہر شخص کے بشرے سے انتہائی تضرع، انکساری، ادب اور خشوع عیاں تھا۔ نہ یہاں

مرد کوچہ گرد کی تمیز تھی اور نہ مسند نشین بلند بام کی۔ نہ صاحبِ ثروت و حشمت کے لیے الگ طواف، نہ شاہ و گدا کا امتیاز، نہ عربی و عجمی کی تفریق، نہ ذاتی شان و شکوہ کا رعب۔ طواف کی تکمیل پر نوافل ادا کیے اور زم زم سے تشنگیٔ قلب و دہن کو دور کیا اور سعی بین الصفا و المروہ شروع کر دی۔

سعی بین الصفا و المروہ کی ماہیت اور اسرار پر نظر ڈال کر معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو ایک عفیفہ ماں اور اس کے بیٹے کی ابدی یادگار کو تازہ رکھنے کے لیے سعی ضروری ہے۔ دوسری طرف اس سعی کے ہر قدم پر بندگی کی تصویر ابھرتی ہے۔ جیسے جاں باز سپاہی اپنے حاکم کے تابع فرمان میدانِ جنگ میں جاتا ہے۔ ان جذبات کو سمجھنے کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کی ہیئت ہی سب کچھ بتا دیتی ہے۔ لاکھوں احرام پوش، کفن بردوش، منظم اجتماعیت کا مظہر بنے ہوئے ہیں اور اس گروہ کی تمام سعی ایک طرف تو دین کی نصرت و سربلندی کے لیے وقف ہے اور دوسری طرف اس عزم بالجزم کا سنگِ میل کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کا راستہ ہی ہمارا راستہ ہے اور اس پر چلنے کے لیے ہم ثابت قدم رہیں گے۔

اس کے بعد حلیم میں نوافل ادا کیے۔ تمام رات انوار و تجلیات کی بارش ہوتی رہی۔ تہجد کی اذان ہوئی اور پھر فجر کی۔ لوگ انتہائی سرور کے عالم میں اپنے رب کے گھر کے سامنے تسبیح و تہلیل میں معروف رہے۔ نظریں کعبہ شریف سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ یہاں کی ایک نگاہ میں اہلِ نظر کے لیے اَن گنت تقدس کے پہلو مضمر ہیں۔

کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ

صبح کا منظر بھی عجب کیف پرور تھا۔ غلافِ کعبہ کی کشش ایسی کہ کیا مجال کہ نگاہ کسی اور طرف چلی جائے۔ اس پر اسمائے حسنہ اور آیاتِ قرآنی کا روپ سے تحریر ہیں۔ شمالی جانب حلیم میں بندگانِ ربِ جلیل سجدہ ریز ہیں۔ کبھی یہ جگہ خانہ کعبہ کے اندر تھی۔ قریشِ مکہ کی تعمیر میں عمارت کو مسقف کرنے کے لیے یہ جگہ کھلی چھوڑ دی گئی۔ یہاں نماز پڑھنا کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے مترادف ہے۔ یہاں خانہ کعبہ کی چھت پر سے ایک پرنالہ گرتا ہے، جسے میزاب رحمت کہتے ہیں۔ چاروں جانب جو جگہ ہے، مطاف کہلاتی ہے۔ فرش سنگِ مرمر کا ہے، کہیں کہیں سنگِ سیاہ و سرخ کی آمیزش ہے۔ قدیم مطاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بہت کم تھا۔

مگر حضرت عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں قرب وجوار کے مکانات خرید کر حرم میں داخل کر دیے گئے تھے۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً توسیع ہوتی رہی۔ صحن کے اختتام پر ترہے چوبرے دالان اندر دالان ہیں۔ ڈاٹ دار چھتیں، کشادہ محرابیں، بلند ستون، دو منزلہ عمارت ہے۔ پچی کاری کے نادر نمونے چھتوں پر مرصع ہیں۔ ہر طرف ٹھنڈے پانی کے کولر بھرے ہوئے ہیں بمقابلہ کا اس قدر عمدہ انتظام کہ کسی وقت بھی پانی کی کمیابی نہ تھی۔

میرے عزیز امجد صاحب مدینۃ المنورہ میں اور برخوردار سلیم اختر صاحب مکہ معظمہ میں مقیم ہیں اور جدہ میں ملازمت کرتے ہیں۔ انھوں نے ہمارے لیے اپنی انرکنڈیشنڈ قیام گاہوں میں طعام قیام کا اعلیٰ بندوبست کر رکھا تھا اور اپنی کاریں مستقل طور پر ہمارے حوالے کر دی تھیں۔ ان مراعات اور سہولتوں کی وجہ سے ہم مناسکِ حج احسن طریقے سے ادا کرنے کے ساتھ تمام مقاماتِ مقدسہ و زیارات سے خوب فیض یاب ہوئے جو کہ بالعموم دوران حج ممکن نہ تھیں۔

امجد صاحب کی کار میں ہم ناشتے کے بعد مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے۔ ظہر کے قریب میدانی علاقہ ختم ہو گیا اور پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ انہی پہاڑیوں میں ایک مختصر سی وادی میں زندگی کے عجیب و غریب آثار نظر آئے، معلوم ہوا کہ یہ مقام بدر ہے۔ مدینہ شریف ہنوز ۱۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یہ مقام مکہ اور مدینہ کی شاہراہ پر سرِراہ واقع ہے۔ زمانۂ قدیم میں یہ تجارتی قافلوں کی جولاں گاہ رہی تھی۔ بحیرۂ احمر یہاں سے صرف دس کلومیٹر پر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ دور دور تک میدان سنگلاخ ہے اور کہیں کہیں ریتلا ہے۔ آبادی سے گزر کر مسجد عریش پہنچے جہاں ۱۲ رمضان المبارک ۲ھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیمپ لگایا گیا تھا۔ اس مسجد کی اوّل تعمیر حکومت مصر کے مہتمم جوش قدم نے ۲۱ ربیع الاوّل ۹۰۶ھ میں کرائی جب کہ مصر کے حکمرانوں میں سے برجی مملوک حکمراں ہوا۔ یہاں ایک میدان میں شہدائے بدر کی یادگار میں ایک قطعہ زمین پر لوہے کے پائپ سے نشان لگا دیے گئے ہیں۔ وہاں دعا کی اور مسجد العریش میں نوافل ادا کیے۔ یہی مقامِ بدر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کی اوّلین امتحان گاہ بنایا۔ حق کو ظاہری وسائل و اسباب کی کمی کے باعث بھی کامرانی سے سرشار کیا۔ قرآن پاک میں اس جنگ کا صراحت سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ باطل کو اپنے ساز و سامان، آلاتِ حرب و ضرب کی کثرت اور افراد

قوت کے باوجود ذلت و نامرادی نصیب ہوئی اور اس جنگ کے بعد صرف سات سال کے اندر حالات نے جو پلٹا کھایا وہ بالکل واضح ہے۔

جس قدر مدینۃ المنورہ قریب آتا جا رہا تھا اسی قدر جذبۂ شوق و اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ آقائے دوجہاں کی آرام گاہ کے دیدار کا شوق ماہیِ بے آب کی طرح تڑپا رہا تھا۔ درود و سلام وردِ زبان تھا۔ ذوالحلیفہ کا مقام آیا تو یاد آیا کہ سرورِ کائنات نے یہاں سے احرام زیب تن فرمایا تھا۔ یہاں سے مدینہ منورہ چھ میل کے فاصلے پر ہے، ارادہ ہوا کہ یہاں سے ننگے پاؤں چلا جائے۔ مگر اب تو نہ وہ راستے ہیں نہ وہ پگڈنڈیاں، جہاں سے شاہِ کونین کی سواری گزرتی ہوگی۔ ان کی جگہ کشادہ و عریض شاہراہیں دکھائی دے رہی ہیں۔

عصر کے وقت انتہائی ادب و تعظیم کے ساتھ مدینۃ الرسول میں داخل ہوئے۔ یہاں کا چپہ چپہ قابلِ احترام ہے۔ جی چاہتا ہے کہ قدم قدم پر سجدہ کرتے چلیں۔ مگر شوقِ زیارت کشاں کشاں لیے جاتا تھا۔ یہ سامنے روضہ مبارک آگیا۔ گنبدِ خضریٰ ترکی حکومت کی عظمت و محبت اور سلطان محمد بن عبدالحمید کی عقیدتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار ہے۔ پُرنور نظارے نے اپنی جانب مائل کر لیا۔ چشمِ پُرنم سے دیکھتے رہے۔ ہونٹ کپکپاتے رہے، دل دھڑکتا رہا۔ سلام و درود سے کچھ سکون میسر ہوا تو عقل نے یارا کیا۔ ۶۷۸ھ تک حجرۂ مبارک پر کوئی گنبد نہ تھا۔ اولاً اس عمارت پر لکڑی کا ایک قبہ بنایا گیا۔ اس کے بعد ۸۹۲ھ میں سلطان ترکی قائتبائی نے پنج گوشہ دیوار پر ایک مضبوط پتھر اور اعلیٰ مصالحے سے ایک گول گنبد تعمیر کرایا، جس پر جستی چادر چڑھا دی گئی۔ ۱۲۲۳ھ میں سلطان محمد بن عبدالحمید نے اسے از سرِ نو تعمیر کرایا جو موجودہ شکل میں موجود ہے۔ اس پر گہرا سبز رنگ کرایا گیا اور جب سے اس کا نام گنبدِ خضریٰ پڑ گیا۔ ۱۲۹۰ھ میں پہلی مرتبہ سعودی حکومت نے گنبدِ خضریٰ پر سبز رنگ کرایا۔ سبحان اللہ! کیسا روح پرور منظر ہے۔ اے گنبدِ خضریٰ کے مکین! آپ پر میں اور میرے ماں باپ نثار۔ آپ پر لاکھوں سلام!!

گنبدِ خضریٰ کے سایہ تلے باب جبریل سے مسجدِ مقدسہ میں عجز و عاجزی کی تصویر بن کر داخل ہوئے۔ تمام عمر کی کمائی اور مال و متاع اس ایک نظر افروز سعادت کے سامنے ہیچ نظر آنے لگے۔ تمنا اور تڑپ نے ولولہ اور جوش پیدا کیا کہ جالی مبارک کو چمٹ جاؤں، چوموں اور اپنا سر نگوں کر لوں مگر یہ خوف دامن

ہے کہ اس مجسم خطا کار سے کہیں کوئی لغزش نہ ہو جائے۔ سو ہر ادب ملحوظ ہے، ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں، ہونٹ کپکپانے لگے، آنکھوں سے عقیدت کا سیلاب امنڈ آیا، دل ایسا دھڑکا کہ ابھی باہر آتا ہے۔ قدر و منزلت اور عزت و تکریم کا یہ عالم کہ سکتہ طاری ہو گیا۔ یہ یقین کیسے آئے کہ یہ رُو سیاہ سرکارِ دو عالم رحمت للعالمین کے حضورِ اقدس میں پیش ہو گیا ہے۔ ہونٹ بھنچ گئے کہ آواز نہ نکل جائے۔ کیوں، وہیں دروازہ مبارک کے اوپر پیتل کے حروف سے لکھا ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (الحجرات، ۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔

بمشکل خود کو سنبھالا اور آہستہ آہستہ حضورؐ پر درود پڑھنا شروع کر دیا کہ سامنے دیوار پر پیتل کے حروف میں تحریر ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (الاحزاب ۵۶)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

حضورؐ پر درود و سلام تو اللہ تعالیٰ اور فرشتے بھی فرماتے ہیں۔ غالبؔ نے اس نکتے کو کیسے عمدہ رنگ میں بیان کیا ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم — کہ آں ذاتِ پاک خود ثنا خوانِ محمدؐ است

یوں تو پوری مسجد ہی خیر و برکت کا خزانہ ہے مگر یہ ایک خاص گوشہ ہے ریاض الجنہ کہتے ہیں، اس خزانے کا نگینہ ہے۔ حدیثِ نبوی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔

یہ علاقہ سات ستونوں سے متعین کیا جاتا ہے، جس میں سے دو ستون حجرہ شریف کے اندر آ گئے۔ ہر ستون کا تاریخ و سیر میں ذکر موجود ہے۔ یہ عظیم تر عمارت حسن ظاہری کے علاوہ نہایت تعظیم و تکریم، عظمت و شرف اور نور و ہدایت سے معمور و منور ہے۔ ہر سو تسبیح و تہلیل،

تلاوتِ قرآن، ادب و احترام، عاجزی و درع کے دل کش اور جاذب و پرکشش مناظر آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتے ہیں۔ یہ سامنے ایک چبوترہ ہے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں مسکین و نادار صحابہ کرام قیام فرماتے تھے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں صحابۂ کرام شب و روز تلاوت و تسبیح میں مصروف رہتے تھے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں روئے زمین کے عظیم معلم کا سلسلۂ درس و تدریس قائم تھا۔ جہاں روئے زمین کی پہلی یونیورسٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی اور جہاں فخرِ موجودات کی محبتِ مقدسہ سے ہزارہا جاں نثار صحابہ مستفیض ہوتے تھے۔ ان کی عظمت کو لاکھوں سلام!

روضۂ مبارک کے گرد بنو امیہ کے دور میں ایک لکڑی کی جافری بنا دی گئی تھی۔ اب یہاں لوہے اور پیتل کی خوب صورت مرصع جالی ہے۔ اس مبارک جالی کو صرف ہاتھ لگانے یا چومنے سے بہرہ ور ہونے کے لیے ہزاروں زائرین دلِ بے تاب کو سنبھالے آنکھوں میں عقیدت کا سمندر لیے تڑپتے اور ترستے رہتے ہیں۔ بعض خوش نصیب پہرے دار کو کچھ دے کر سرفراز بھی ہو جاتے ہیں۔ آج سے آٹھ نو سو سال قبل چند بدکردار وں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک کو نکالنے کے لیے ایک سُرنگ کھود ڈالی تھی۔ ۵۵۷ھ میں سلطان نور الدین زنگی کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور اس شر سے حفاظت کی آگاہی فرمائی۔ سلطان فی الفور مدینہ منورہ پہنچا اور پنج گوشہ عمارت کے چاروں طرف اتنا گہرا گڑھا کھدوایا کہ پانی نکل آیا اور پھر لاکھوں من سیسہ پگھلوا کر بھروا دیا تاکہ ان میں سوراخ نہ کیا جا سکے۔ روضۂ مبارک کے چاروں طرف جو جالی اب موجود ہے، دراصل یہ انہی بنیادوں پر بنی ہیں۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (التوبہ: ۱۰۸)

(البتہ جس) مسجد کی بنیاد تقوے پر اوّل روز سے پڑی ہے وہ (واقعی) اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں (ایسے) آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سورہ توبہ کی جب یہ آیت تلاوت کرتا تھا، ایک کسک سی دل میں اٹھتی تھی کہ وہ لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں جو اپنی آنکھوں سے اس مقام کو دیکھتے اور اس کی زیارت سے فیض یاب ہوتے

ہیں۔ یہ ذکر والا شان مسجد قبا کا ہے جو اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی مسجد ہے اور حضور سرورِ کائنات نے اپنے دستِ مقدس سے اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔ محدثین اور مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہی مسجدِ قبا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر ہفتے کی صبح کو مسجد قبا کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مسجدِ قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا ایک عمرہ کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔ ہم مسجد نبوی سے فجر کی نماز کے بعد مسجد قبا کی جانب اشراق کی نماز ادا کرنے کی آرزو لیے چل دیے۔ امام الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام پتھر اور مٹی ڈھوتے تھے اور تعمیر میں برابر کے شریک تھے۔ یہ خیال آتے ہی دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ جسم میں کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔ درود و سلام کے ورد کے ساتھ مسجد قبا میں قدم رکھا۔ میری خوش نصیبی کہ وہ متبرک جگہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرماتے تھے، اب خالی تھی، دوڑ کر نفل ادا کیے اور اپنی جبینِ نیاز اس عظیم بنیاد کے سامنے رکھ دی۔ سجدے میں بہت دیر تک پڑا رہا۔ وہ لذت اور کیفیت ناقابلِ بیان ہے جو اس تصور میں ہے کہ ختم الرسل نے جہاں امامت فرمائی وہاں اس گنہ گار کو سجدہ ریز ہونے کا موقع ملا۔

مسجد قبا سے جنوب مشرقی جانب پون میل کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے مسجد جمعہ کہتے ہیں۔ ایک کشادہ سڑک کی توسیع نے اور پشت پر ایک کوٹھی کے تالابِ پیرا کی نے اس مسجد کو بھینچ کر رکھ دیا ہے۔ مسجد کی زبوں حالی سے دل کو بہت صدمہ ہوا۔ امتدادِ زمانہ کے باعث ایسی یادگار خستہ حالی کا شکار ہے۔ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری چودہ دن قبا میں قیام کے بعد جب سوئے مدینہ رواں دواں تھی، اس مقام پر قبیلہ بنو سالم نے آپ کو روک لیا۔ عین اس وقت فرضیت جمعہ کا حکم جناب جبریل امین لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ پس فوری طور پر اسی مقام پر آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی۔ ۱۰ھ میں اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کی گئی جو مسجد جمعہ کے نام سے موسوم ہے، مگر لوگوں کو اس کا اتا پتا کم ہی معلوم ہے۔ اس خاکسار نے صحنِ مسجد کو کسی قدر صاف کیا اور نفل ادا کیے۔

مسجد ابوذر اب شہر کے وسط میں آگئی ہے اور شارع المطار پر واقع ہے۔ یہ علاقہ بہت پررونق ہے اور اس میں یہ مختصر سی مسجد کوشش کے بعد ہی نظر آتی ہے۔ امام بیہقی نے عبدالرحمٰن

بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک رات وہ مسجد نبوی کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضور علیہ التحیات باہر تشریف لائے اور اسواف کے باغ میں تشریف لے گئے جو موجودہ مسجد کی جگہ واقع تھا۔ یہاں آپؐ نے طویل سجدے کے بعد جب چہرۂ مبارک اوپر اٹھایا تو عبدالرحمٰن بن عوف کو منتظر پایا۔ ارشاد ہوا، اللہ جل شانہٗ نے میری امت پر ایک عظیم الشان انعام فرمایا ہے جس کے شکرانے میں یہ سجدہ کیا تھا۔ عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا انعام ہے۔ فرمایا جو آدمی مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ جل شانہٗ اس کے لیے دس نیکیاں رقم فرمائیں گے اور اس کے دس گناہ معاف فرمائیں گے۔ رب العزت کے اس انعام کی صحابہ کرام نے اس قدر تعظیم کی کہ اس جگہ نماز ادا فرمانے لگے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک مسجد بنائی جو اب بھی باعثِ سکونِ قلب ہے اور عشق مصطفوی کے دیوانوں کو فروغِ نظر بخشتی ہے۔

مسجد قبلتین میری رہائش گاہ واقع تبوک روڈ کے قریب تر تھی۔ روزانہ مسجد نبوی آتے جاتے میاں صاحب سے درخواستِ دیدار پیش کرتا۔ آخر ایک دن فجر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی اور مسجد شمس کی بے سود تلاش سے واپس آ رہے تھے۔ (واضح رہے کہ مسجد شمس شمع رسول کے پروانوں کا ایک قیمتی اثاثہ تھا جو محکمۂ آثار و توسیع شاہراہ کی دستبرد میں صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گئی) کہ میاں صاحب نے ایک دم کار روک دی۔ سامنے مسجد قبلتین تھی۔ کبھی یہ مسجد وادیٔ عقیق میں تھی، مگر آج ایک کشادہ شارع تبوک پر ہے۔ عموماً قفل لگا ہوتا تھا مگر آج چند زائرین موجود تھے اور مسجد کھلی ہوئی تھی۔ ایک بوتل پانی ایک ریال میں لے کر وضو کیا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں خانہ کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد میں بیت المقدس کی جانب ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے، دو رکعت تمام ہوئی تھیں کہ تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ باقی دو رکعت نماز کی حالت میں رخِ مبارک خانہ کعبہ کی جانب موڑ کر ادا فرمائیں۔ پرانے قبلہ بیت المقدس کی جانب قبلہ کا نشان شمالی دیوار میں اب بھی موجود ہے۔ کافی وقت نوافل و سامانِ طمانیتِ قلب میں گزرا۔ تاریخ کے اوراق سمیٹ کر باہر نکلا تو دھوپ تیز ہو چکی تھی۔

یہ ذکر ۵ھ کا ہے کہ عرب کے مختلف قبائل مل کر جن کی تعداد اندازاً دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔ جب حضور رحمۃ للعالمین کو اطلاع ہوئی تو آپ نے شہر طیبہ کے دفاع و تحفظ کے لیے صحابہ کرام کی معیت میں مدینہ کے اطراف میں ایک طویل خندق کھود ڈالی۔ تقریباً چالیس دن یہ محاصرہ جاری رہا۔ اس مقام کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی اسکیموں کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ آج کل خندق کی شکل کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ کچھ نشیبی علاقہ ضرور باقی ہے جہاں کھجور کے باغات نظر آتے ہیں۔ میں یہاں سلع پہاڑ کے غربی علاقے میں اوپر تک گیا جہاں بغیر چھت کے چند کمرے نظر آتے ہیں۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ چودہ سو سال پرانے ہیں۔ ان کمروں کے بارے میں مختلف لوگوں سے استفسار کیا، مگر کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ سلع پہاڑ کی ترائی میں پانچ مساجد ہنوز باقی ہیں، کبھی یہاں سات مسجدیں تھیں، اس لیے کہ اس شاہراہ کا دیرینہ و موجودہ نام سبع مساجد روڈ ہے۔ پہلی مسجد، مسجد الفتح ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف فرما تھے اور انتہائی انکساری سے اللہ کے حضور دعا فرما رہے تھے کہ بار خدایا مسلمانوں کو فتح نصیب فرما، اس وجہ سے اس مسجد کو مسجد الفتح کہتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس مسجد کی تعمیر کا شرف حاصل ہوا۔ پھر ۵۷۵ھ میں سیف الدین حسین یمن کے ایک وزیر نے اس کی مرمت و تجدید کرائی، جیسا کہ مسجد کے ایک کتبے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس گنہگار نے محراب مسجد میں نفل ادا کیے اور بارگاہ ایزدی میں پاکستان کی فتح و کامرانی کے لیے دعا کی۔ مسجد فتح کے علاوہ اس پہاڑ کے دامن میں چار دیگر مساجد ہیں جن میں سے مسجد فاطمہ، مسجد ابوبکر، مسجد علی اور مسجد سلمان فارسی بہت خستہ حالت میں ہیں۔ مسجد فاطمہ کی تو چھت بھی نہیں ہے۔ ان مساجد کی نسبت ان حضرات کے اسمائے گرامی سے تو معدوم نہ ہو سکا، البتہ قیاس کہتا ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر ان حضرات کے کیمپ ان مقامات پر نصب ہوں گے اور ستورات کا خیمہ موجودہ مسجد فاطمہ کی جگہ ہوگا اور شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً ان کیمپوں میں نماز ادا فرمائی ہوگی۔ میں ذہن میں بہت دیر تک تاریخ کے اوراق الٹتا رہا کہ ان یادگاروں کی چھٹی سے دسویں صدی ہجری تک باقاعدہ مسلمان امرا و عمال حکومت تعمیر و مرمت میں مستعدی سے حصہ لیتے رہے، مگر اب ان کا اللہ مالک ہے۔

مسجد نبوی سے باب السلام کے راستے سے باہر نکلیں تو نہایت دلکش دو رویہ بجلی کے فانوسوں کے اختتام پر مسجد غمامہ واقع ہے۔ یہ مسجد بڑی خوب صورت اور سیاہ و سفید پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ ھ میں نماز عید یہاں ادا فرمائی تھی۔ مسجد کے دالان اور اندرونی فرش دلکش قالینوں سے مزین ہیں۔ اس مسجد کے ارد گرد چار اور مساجد کا دائرہ ہے۔ اوّل مسجد فاطمہؓ ہے جو کہ بہت مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر خاص کشش رکھتی ہے۔ دوسری جانب ایک چھوٹی سی مسجد علیؓ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دورانِ محاصرہ میں حضرت علیؓ اس مقام پر مقیم ہوں گے۔ بعد میں یہاں مسجد تعمیر ہوگئی۔ مسجد ابوبکر بائیں طرف اور مسجد عمر دائیں طرف قبا روڈ پر مڑتے ہی واقع ہیں۔ یہ دونوں مساجد قدیم طرزِ تعمیر کا نمونہ ہیں۔ ان کے اندر جدیدیت قطعی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عرصۂ دراز سے ان کی مرمت و تزیین کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ ان مساجد سے ان خلفائے کرام کی وجہِ نسبت معلوم نہ ہوسکی۔ ملّا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان مساجد میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق نے ضرور کبھی نمازیں ادا کی ہوں گی۔ غرض مسجد غمامہ کے اطراف میں مساجد کا یہ سلسلہ بہت شان دار دکھائی دیتا ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ مسجد غمامہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ استسقا بھی ادا فرمائی تھی۔ نماز کے فوراً بعد بادل آگئے تھے اور خوب برسے تھے۔ غمامہ عربی زبان میں بادلوں کے لیے مستعمل ہے۔ اسی لیے یہ مسجد غمامہ مشہور ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے　　غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادیِ سینا

رحمتِ دو عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بیر رومہ کو خریدے اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دے، میں اس کو مغفرت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ فرمانِ نبوی سنا تو فوراً آپ نے یہ کنواں یہودی مالک سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ۳ ھ کا ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ کے مسلمانوں کو پینے کے پانی کی بہت تکلیف تھی۔ کھاری پانی کے کنویں خاصی تعداد میں موجود تھے۔ مگر شیریں پانی نہ ملتا تھا۔ بیر رومہ ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اسے خریدنے کا شرف حاصل کیا۔ اس کے علاوہ چند اور مقامات میں بھی پینے کا پانی موجود تھا مگر اب وہ مقامات شہر مدینہ کی توسیع میں آچکے ہیں۔ اب بیر رومہ صرف یادگار کے طور پر باقی ہے۔

جمعۃ المبارک کو فجر کی نماز کے بعد اس مبارک یادگار کی تلاش میں نکلے۔ شہر طیبہ کے شمال مغربی گوشہ میں شاہراہ سے اتر کر ایک کچی سڑک ایک چار دیواری تک لشاندہی کرتی ہے جس کے اندر ایک مسجد بھی ہے اور اس کے عقب میں عظیم مالی ایثار کی یادگار واقع ہے۔ اب یہ کنواں کھنڈر بن چکا ہے۔ امکان قوی ہے کہ اگر اس کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام نہ کیا گیا تو کسی وقت یہ قیمتی اثاثہ معدوم ہو جائے گا۔ میرِ رومہ کے کنارے کھڑے ہو کر تصور ہوتا ہے کہ شیریں پانی کی کم یابی کے باعث تشنہ لب مسلمان سنگ دل یہودی کے دروازے پر پانی کی دست یابی کے لیے آتے ہوں گے اور کئی قسم کی باتیں سنتے ہوں گے۔ جبھی تو عثمان غنی ذوالنورین کو خداوند قدوس کی جانب سے متعین فرمایا گیا۔ رسولِ عربی اعلان فرماتے ہیں کہ ہے کوئی مغفرت کا طلب گار، ہے کوئی بخشش کا خواست گار۔ یہ شرف، یہ فخر، یہ سعادت قسامِ ازل نے عثمان بن عفان کے مقدر میں ہی لکھا تھا۔ کنواں خریدا جاتا ہے مسلمانوں کے لیے وقف ہوتا ہے مگر یہودیوں کے پانی پینے پر قدغن نہیں لگتی، جو یہودی مالک نے مسلمانوں پر لگائی تھی۔ اس کمالِ ایثار اور انتہائی تقویٰ کو دیکھ کر وہ یہودی بھی مسلمان ہو جاتا ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک دن فجر کی نماز کے بعد شہدائے اُحد پر جانے کا قصد کیا۔ میاں صاحب نے ایک پہاڑیوں کے سلسلے کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے بتایا کہ یہ اُحد کا پہاڑ ہے۔ معاً میرے کانوں میں حضور علیہ السلام کی حدیث "کوہِ احد سے ہم محبت کرتے ہیں اور یہ ہم سے محبت کرتا ہے" گونج اٹھی۔ میں نے چلتی گاڑی سے جبلِ اُحد کو عقیدت سے سلام کیا، چوں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محبت تھی اور اس پہاڑ کو جنت کی بشارت بھی ہے۔ میں سوچنے لگا کاش میں اس پہاڑ کا ایک پتھر ہی ہوتا۔ ایک موڑ کاٹ کر ہماری گاڑی ایک احاطے کے قریب رُک گئی۔ اس احاطے میں شہدائے اُحد کے مزار ہیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کو تو کچھ نمایاں سی خصوصیت حاصل ہے مگر اور کسی قبر کا تعین ممکن نہیں ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن جحش اسلام کے عظیم سپوتوں کی قبریں تلاش کرتا رہا، مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ میری نم ناک آنکھوں میں جنگ کا نقشہ کھنچ گیا۔ ۵ شوال ۳ھ کو حضرت انسؓ نے حضورؐ کو مطلع کیا کہ قریش کا لشکر مدینہ منورہ کے قریب آچکا ہے۔ ۱۱ شوال بروز جمعہ سید الکونین ایک ہزار جاں بازوں کو لے کر سینہ سپر ہو گئے۔ ستر فدائیان اسلام قربان ہو چکے ہیں۔ جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے ہندہ کے سازباز کر کے

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے نیزہ مارا۔ عم نبیؐ فرشِ زمین پر گر پڑے۔ عقبہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی بیوی نے آپ کے ناک، کان اور انگلیاں کاٹ کر ہار بنایا، گلے میں ڈالا، خنجر سے شکم مبارک چاک کر دیا اور کلیجہ نکال کر چبا ڈالا۔ یہ تمام واقعہ یہیں ہوا۔ آنکھیں ان تصورات میں غلطاں تھیں، آخر تاب نہ لا سکیں اور بہہ پڑیں۔ بہت دیر دامنِ کوہ میں اس غار کو تلاش کرتا رہا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرے آرام فرمایا تھا، مگر کوشش ثمر بار نہ ہو سکی۔

روضۃ النبی سے مشرق کی جانب پتلی سی گلی سے گزر کر ایک کشادہ شاہراہ کے کنارے جنت البقیع ہے جس کے بارے میں متعدد احادیث میں بتایا گیا ہے کہ یہاں کے مدفون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرفِ شفاعت سے اولاً مشرف ہوں گے۔ یہاں لاتعداد قدسی صفات نفوس اور آفتاب رسالت سے فیض یاب ہونے والے حضرات محوِ خواب ہیں۔ اس کی خاک جس کو نصیب ہو گئی، سمجھو کہ جنت الفردوس مرحمت ہو گئی۔ اس خاکِ گوہر بار پر تمام دنیا و مافیہا کی دولتیں اور ثروتیں نثار کی جا سکتی ہیں۔ ایک تمنا تھی، ایک تڑپ تھی، اس خاک صد افتخار کی زیارت کرنے کی، جس میں وہ لوگ مدفون ہیں جن کی ضوفشانیوں نے تاریخ اسلام کو درخشندگی و تابندگی بخشی۔

سورج ابھی پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا کہ سلامِ عقیدت اور کششِ محبت دامن میں لیے ہوئے جنت البقیع پہنچا۔ یہ سامنے جنت البقیع ہے۔ چھوٹی بڑی پتھروں کی لاتعداد ڈھیریاں ہیں جن کے درمیان خم کھاتے، اونچے نیچے راستے، نہ کہیں سایہ نہ سبزہ۔ ہر چیز انجانی، نہ کسی کا پتا نہ نشانی۔ میت کی تدفین میں انتہائی عجلت۔ اللہ کریم کہا اور رخصت! یہاں کے مکینوں کی جائے رہائش کا تعین مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ بعض قبور کا صرف تاریخی روایات سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، وہ کبھی معتبر نہیں۔ اہل بیت کے علاوہ دس ہزار کے قریب صحابہ کرام، ہزاروں تابعین اور اس سے زیادہ تبع تابعین، لاکھوں اولیاء اللہ رضوان۔ حیرت و تعجب سے ہر طرف تکتا رہا۔ کیا کچھ دیکھتا، کدھر کدھر ڈھونڈتا ان ہستیوں کو! سبحان اللہ! یہاں کا تو چپہ چپہ متبرک ہے۔ کہیں شاہِ دو عالم کے لختِ جگر خوابیدہ ہیں تو کہیں آپ کے نواسے آرام فرما ہیں، اور کہیں امہات المومنین محوِ خواب ہیں۔ اس عاصی اور گنہگار

(باقی آئندہ)